برق طور یعنی نقد تجلّیات

از قلم: مولانا سید دلدار علی عرف منّے آغا صاحب رازؔ اجتہادی

(قسط-۱)

الناس موتی و اهل العلم احیا

جس میں تاریخ عباس مصنفہ جناب عزیز لکھنوی کے بے سرو پا خیالات اور بزرگان و اراکین خاندان اجتہاد کے خلاف دریدہ دہنیوں اور فن سیرۃ نگاری کی چاپلوسانہ قلم فرسائی سے جو توہین کی گئی ہے اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم ایاک نحمد علی انعامک و نصلی علی رسولک و اھلبیتہ المھدیین الی رضوانک۔

فلک کی پے در پے گردشوں نے صفحات عالم پر ہر ساعت نئے نقوش اور ان میں مختلف آثار دے کر ہمیں یہ بتایا کہ ہستی کا ہر ورق جب پلٹ جائے گا۔ تو دوسرا صفحہ آثار ماضی سے بالکل برعکس مقدمات و نتائج پیش کرنے میں اپنے ماسبق کا ہم قدم ہوگا۔ اور عالم کا ہر دور جب اپنے بسنے والوں سمیت دور ثانی کے واسطے جگہ خالی کرے گا۔ تو طبائع کا اختلاف با آواز بلند انقلاب آثار کا پتہ دے گا۔

جب سے صفحہ دنیا نقوش ہستی سے مزیّن ہوا، یہی طرز سنّتِ جاریہ اور یہی راستہ مسلوک فطرت رہا۔ اگر آپ تاریخ کے ورق الٹ کر میرے اس دعوے کی مثالیں ڈھونڈیں گے تو شاید زمانۂ ماضی کی ہر سطر زبان حال بن کر گواہی دینے کو موجود ہوگی۔ کیا اس سے کوئی انکار کرسکتا ہے کہ ابتدائے خلقت میں جو انسانی عمر عموماً تھی، وہی اب بھی ہے۔ کیا یہ قابل شک ہے کہ جو طول قامت اس وقت تھا، وہی اب بھی ہے۔ کیا جو قوت و طاقت دور منقرض کے بازو پیش کرتے تھے، اس کی نمود اب بھی ہے۔ تو کیا اسی طرح یہ بھی مسلم نہیں ہے کہ ایمان کے جو نقشے مٹ گئے، وہی یا ان کا مثل صفحہ عالم پر اب بھی ہیں وہ دور گذر گیا جب ابدال و اقطاب سکون زمین کا سبب اور آسمان ایمانی کی رفعت کا باعث تھے۔

علم کی انتہائی قوت زمانہ گذشتہ اپنے عریض دامن کے ساتھ ہی ختم کر گیا۔ اور موجودہ روز اسی مٹے ہوئے نقش کی دھندلی تصویریں پیش کرنے پر نازاں ہے۔ سچ یہ ہے کہ نہ وہ علم رہا، نہ وہ علماء رہے۔ نہ وہ ذاتیں رہیں، نہ وہ صفات رہے۔ کبھی علم کے قدر شناس تھے تو علماء بھی تھے۔ اور جب کوئی قدر کرنے والا ہی نہ رہا، تو علم بھی ناقدروں کی محفل سے دامن کش ہو کر کچھ مخصوص سینے ڈھونڈھ کر گوشہ گیر ہو گیا۔ یوں تو اگر آپ روز بعثت رسولؐ سے ایک اجمالی نظر ڈالنا شروع کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تیرہ صدیوں کے مختصر دامن علم کے ایسے لبریز سمندر لئے ہوئے تمام زمانوں پر ناز کر رہے ہیں جو ظرف وجود کو تنگ پا کر حدود عدم سے گذر گئے۔

دور کیوں جایئے، آیئے میں آپ کو زمانہ حال سے صرف ایک صدی پہلے اس بحر علم کا منظر دکھاؤں جو نصیر آباد کے مختصر قصبہ سے جوش کھا کر نکلا اور بڑے بڑے بحر و بر کے میدان طے کرتا ہوا باب مدینۂ علم پر جبہ سائی کر کے علمی موتی معدنِ درِ نجف سے لے کر پلٹا۔ اور وہ وہی باہمّت بشر تھا جس کا نام سید دلدار علی اور جو رحلت کے بعد غفراں مآب کے لقب سے مشہور ہے۔ یہی وہ معدن علم و ایمان تھا جس نے ہندوستان کے جہل کو علم اور کفر کو

اسلام اور نفاق کو ایمان سے بدل دیا اور آج اپنے حسینیہ کے ایک گوشہ میں ہدایت کا تاج پہنے ہوئے جنّت کی سرد ہواؤں میں آرام کر رہا ہے۔ لیکن جس طرح برستا ہوا بادل جب گذرتا ہے، اپنا پانی ہر اس ظرف میں چھوڑتا جاتا ہے جس نے اپنی آغوش فیض پانی کے واسطے کھول دی ہو، اسی طرح یہ ابر کرم اہل ہند کے خشک چشموں کو باران علم سے سیر کرتا ہوا گذر گیا اور وہ چشمے اس سحاب حکمت کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی موجزن رہے اور اپنے منبع کرم کی طرح خود بھی بڑھتے بڑھتے سمندروں کی طرح کشادہ دامن ہوئے۔ میرے اس بیان کو سمجھنے کے واسطے آپ کو ان تاریخوں پر نظر کرنا ناگزیر ہے جن میں حق پسند اور منصف مزاج اہل قلم نے خاندان اجتہاد کے علماء اور شاگردوں کی فہرست درج کی ہے اور ان کے مدارج علمی بیان کر کے ان موج خیز سمندروں کی تصویر دکھائی ہے۔

جناب غفرآن مآبؒ نے جس علم کے ایک ایک قطرہ کو مختلف سمندروں سے چھان کر اپنے سینے میں جمع کیا تھا اس کا نہ رکنے والا زور ابناء صلبی اور اولاد علمی غرض بیشمار دلوں سے زبان اور قلم تک آ کے نمایاں ہوئے بغیر نہ رہا۔ کیا دنیا سلطان العلما کو بھول سکتی ہے جو درحقیقت اسم بامسمّی تھے اور لقب آپ کی ذات کی توصیف میں زبان واقع تھا، یا تاریخ کا ورق اپنے دامن سے سیدالعلما کی یاد مٹا سکتا ہے جو دراصل علمائے عصر کے سردار تھے۔ یوں ہی ممتاز العلماء، ملک العلماء، جناب فردوس مکان، ملاذ العلماء، تاج العلماء، بحرالعلوم، عمادالعلماء کیا یہ وہ ہستیاں تھیں کہ جن کا نام اولاد جناب غفران مآبؒ میں بھول جانے کے قابل ہے۔ دراصل ان حضرات نے اپنے زبان وقلم سے وہی کام کیا جو ان کے بزرگ سابقاً کر گئے تھے اور اسی نقش کی تجدید کرتے رہے جو جناب غفران مآبؒ نے ورق ایمان پر بنایا تھا۔ یہ تو وہ نفوس قدسیہ تھے جو نسل جناب غفرآن مآبؒ میں ہونے کی وجہ سے اصلاب طیّبہ علوم سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوئے اور جن کو علم وفضل گویا میراث پدری ومادری میں حاصل ہوا۔ مگر نہیں، فیض علم یہیں تک منتہی نہ تھا کہ اپنے گھر کے چراغ روشن کر کے دوسروں کے اندھیرے مکانوں سے چشم پوشی کی ہوتی، بلکہ جس طرح اپنے گھروں کو نور علم سے چار چاند لگائے اسی طرح خاندان علم نے دوسرے مکانوں کی شمعیں اس طرح روشن کر دیں کہ پھر آج تک ان مکانوں میں تاریکی کا کامل تصرف کبھی نہ ہو سکا۔ انھیں علوم ائمہ کی روشن شمعوں میں کوئی فردوس مآب ہو کر اپنے عبقات الانوار سے عالم کو منور کر گیا۔ اور کوئی مفتی عصر بن کر باب افتا کھول گیا اور کوئی علامہ زمن بن کر علم حسن کی تصویر بنا۔

میں ان مختصر اوراق میں خاندان اجتہاد کے علماء اور ان کے شاگردوں کی نہ فہرست پیش کرنا چاہتا ہوں اور نہ ان کے حالات زندگی پر قلم اٹھانے کا قصد ہے۔ بلکہ میں تو صرف انقلاب عالم کی تصویر اور اختلاف آثار کی مثال پیش نگاہ ناظرین کر کے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

مجھے انصاف پسند ناظرین کے سامنے یہ کہنے میں کچھ بھی جھجھک نہیں ہوتی کہ اس وقت ہندوستان میں جس قدر بھی علم ضیا بار ہے، اس میں بہت زائد حصہ اس تعلیم کا ہے جو اولاد جناب غفرآن مآبؒ میں یا اس خاندان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ شاگردوں نے پہنچائی اور مجھے یقین ہے کہ کوئی باخبر انسان ہرگز اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر جس طرح ہر دور میں انقلاب طبائع ناقابل انکار ہے اسی طرح دور حاضرہ میں خاندان اجتہاد کو بھی ایسے ہی معاصرین سے سابقہ ہوا جو حقیقت پر کسی نہ کسی طرح خاک ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یوں تو بہت سی کوششیں ہو چکیں اور ہو رہی ہیں کہ فضل وشرف اس خانوادہ بزرگ کا مٹ جائے یا کم از کم پردۂ خفا میں چھپ جائے مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جناب مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی سوانح عمری جمع کرتے ہوئے جس طرح ایک مقدس ذات کے قدم اس سعی میں اپنی سرعت رفتار سے ضعف پیری کی کم رفتاری کو پوشیدہ کر رہے ہیں، ویسی تیزی کسی دوسرے مقام پر نہیں ملتی اور

تجلیات کے سفید صفحوں میں جس طرح گرد اڑا کر اس خاندان کے نورانی چہرے کو دھندلا کرنے میں کامل اجتہاد ضم کیا گیا ہے۔ اس کا نظیر میدان قلم میں کہیں اور دستیاب نہیں ہوتا۔

ہم سنا کرتے تھے کہ غیبت کرنے والے ہر بزم میں خاندان اجتہاد کی بدگوئی میں اپنا عزیز ترین وقت صرف کئے بغیر نہیں رہتے۔ مگر دل کا کانٹا زبان قلم سے نکلنے کی امید نہ تھی لیکن بڑھتے ہوئے جوش نے قلم کو بھی زبان کا ہمنوا بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ اگر حقیقت یہی ہوتی کہ جناب عزیزؔ تالیف تجلیات کے کامل ذمہ دار ہوتے تو محل تعجب اتنا بلند نہ ہوتا لیکن یہ معلوم ہونا ہر شخص کے واسطے بہت زائد سبب تعجب ہوگا کہ جناب عزیزؔ تالیف تجلیات میں ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ قسام ازل گفت ہم آن میگویم

کے سچّے مصداق ہیں اور دراصل جناب عزیزؔ کی آڑ میں عزیز مصر کوئی اور ہے جس نے عزیزانہ فرض سے سبکبار ہونے کے واسطے واقعات کے خزانہ انڈیل دیئے اور جھوٹے سچّے ہر طرح کے جواہر تجلیات کی جھولی میں بھر دیئے۔

دیباچۂ کتاب اور بعض دیگر مقامات پر جناب عزیزؔ نے اپنی ذمہ داری کم کرتے ہوئے خود اپنے دست قلم سے اس چہرے کو بے نقاب کردیا ہے جو تاریخ عباس کا مؤلف حقیقی کہے جانے کا مستحق ہے۔ ملاحظہ ہو تجلیات صفحہ (۹)

مگر خدا کا شکر ہے کہ دشمنوں کی اڑائی ہوئی گرد خاندان اجتہاد کے دامن سے خود ممدوح تجلیات کی مروجہ جنبانی ہٹا رہی ہے اور ہمیں جناب مفتی صاحب کا ممنون احسان ہونا ہے۔ ان کی اس سعی میں کہ وہ پہلے ہی سے خاندان اجتہاد کے خط و خال پر نگاہ کرنے کو اوراق الذّہب وغیرہ سے سنہرے چراغ جلا گئے تھے جو ہر تاریکی کو دفع کرنے میں کافی ہیں۔

میں اس مقام پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج جب کہ سوانح عمری کے کثیر اوراق میں خاندان اجتہاد کے فضائل چھپائے جا رہے ہیں، اسی سے صرف چالیس سال پہلے ایک وہ بزرگ تھا جو انھیں فضائل کو ابھارنے کی زبان و قلم سے سعی کر گیا اور شاید ناظرین کو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ وہ بزرگ ممدوح تجلیات کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

میں اسے انقلاب طبائع اور گردش زمانہ نہ کہوں، تو کیا کہوں کہ مفتی علام جن کا تمام زور قلم اس بات میں ختم تھا کہ محض سلطان العلماء اور سید العلماء ہی نہیں بلکہ خاندان اجتہاد کے ہر ہر بچّہ کے اوصاف حمیدہ رقم کرکے شرف حاصل کروں، آج محض چالیس برس کے بعد اس نفسِ قدسی کے شاگرد بلکہ ارشد تلامذہ اس خاندان اجتہاد کے فضائل چھپانے میں کوشاں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر جناب مفتی صاحب زندہ ہوتے یا اب ان کو اجازت گویائی عطا ہو، تو اس ناکام سعی سے اپنی انتہائی بیزاری کا اظہار کریں گے۔ مگر افسوس کہ جو قدر شناسان خانوادۂ اجتہاد تھے وہ گذر گئے۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور مدارج عالی کرے۔ اپنے فضل و شرف اور علّوِ مراتب علم کے بعد بھی ان کے روشن قلوب پر ''مَنْ تعلَّمَ حرفاً فَهُوَ مَوْلَاه'' نقش کالحجر تھا اور وہ استاد کو استاد اور اس کی بزرگداشت کو فرض عین سمجھتے تھے۔

اگر میں مؤلف تجلیات کی شکایت اس مقدس روح سے کروں جس نے اس خاندان کی حمایت میں اور بیان فضائل و مراتب میں قلم نہ روکا اور جو جناب سید العلماء کو مخاطب کرکے ارشاد کرتا تھا ع ''تو حسینی و من علمدارم'' تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ یوں تو اوراق الذہب اول سے آخر تک مدح سرا ہے، اسی ایک ذات کی جن کا لقب سید العلماء تھا، مگر میں اس مقام پر وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس میں جناب مفتی صاحب نے اپنے استادِ علّام طاب ثراہ کے فضائل و مناقب خود اپنے قلم سے تحریر فرمائے ہیں اور ان کی بلندی مدارج واقعی کے بیان میں اس قدر سعی فرمائی ہے کہ حدود مبالغہ بھی اس سے پست نظر آتے ہیں۔ عبارت جناب مفتی صاحب بعینہ ہدیہ ناظرین ہے:

ولنعم ما قال بعض الزائرين للائمة الاثنا عشران نسبته الی علماء الاقطار کنسبة الملک الی اللبشر۔ وقلت ان نفسه القدسیة منزلتها من سائر النفوس منزلة العیون من الرؤس والرئیس من المروسن او المعقول من المحسوس وقال بعض الاجلاء من الاخلّاء عند منصرفه من النجف والکربلاء ان هذا السید الکریم والحبر العظیم انما یعرف قدره ویکشف بدره بعد سیاحة الاقالیم والافاق والسیر فی الصد والوهاد وصحبة علماء الامصار والبلاد فان الاشیاء تعرف بالاضداد واللّٰہ الهادی الی سبیل الرشاد۔تبلیغ قسماً بالعلم ورفعة شانه والدین ووثاقة بنیانه انه فی اعاظم زمانه کاالمجلی یوم رهانه بل نسبة الی قد صاء العلماء کنسبته نبینا الی سائر الانبیاء تقد موا علیه زماناً وتاخروا منه مکانا ولو لم نقل انه لو کان فی زمن النبی سید الانس والجان لا نزل الرحمٰن فی مدحه شیئاً من القرأن وفضله جده علی ابی ذر وسلمان حتی لا یختلف فیه اثنان قلنا لو ا نصفو ولم یتعسعو لکفاهم عمومات الکتاب والحدیث فقیها دلالة لمن القیٰ السمع وهو شهید علی انه المخصوص بین العباد بخشیة اللّٰہ المجید وان مداده افضل من دم الشهید ولٰکن الدهر خوان والدنیا ذات هوان والناس حول القبور یطوفون و بالاصوات شغوفون والقلوب حل فیها الحسد کما تحل الروح فی الجسد والعجب کل العجب اما سمعوا ماورد عن امیرالعرب فی بعض الخطب ان الحسد یاکل الایمان کما تاکل النار الحطب عندی ان حبه فی هذا الزمان من احض دلائل الایمان فمن خالفنی جادلته ومن باهلتی باهلته وکم حججت معاویه و عایت الناس فیه وما نصرت من خاز لیه احد او ما استنصرت معاندیه ابدا وما کنت متخداالمضلین عضدا۔

افق فی تحمیده کل مائل
وقولی لایرضاه غیر قلائل
فما مدحهم الالنبیل فواضل
ومدحی له مدح له بالفضائل
وان مدیح الناس دون مدائحی
وان کان مدحی دون تلک الجلائل

اور بہت خوب کہا ہے اس شخص نے جس کو خدا نے ائمہ اثنا عشر کی زیارات کا شرف عطا فرمایا کہ جناب سید العلماء کی نسبت تمام عالم کے علماء سے وہ ہے جو ایک ملک کو انسانوں سے ہوسکتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس پاکیزہ نفس کی منزلت تمام نفوس سے اس طرح ہے جیسے سر میں آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ نسبت ہے جو بادشاہ کو رعایا سے ہوتی ہے بلکہ وہ نسبت ہے جو معقولات کو محسوسات سے ہوتی ہے۔

اور میرے بعض احباب کرام جب زیارت نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کے بعد پلٹے تو انھوں نے کہا کہ جناب سید العلماء کی قدر لکھنؤ میں رہ کر کما حقہٗ نہیں ہوسکتی بلکہ اس سیّدِ کریم اور عالم جلیل کی حقیقی منزلت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب عالم کا دورہ کیا جائے اور تنقیدی نگاہ سے تمام دنیا کے علماء کو دیکھا جائے جو مختلف شہروں میں زینت بزم علم ہیں، کیونکہ ہر شئے کی حقیقی منزلت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کی ضد سے اس کا مقابلہ کیا جائے اور خدا ہی سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔

اس کے بعد جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ خود ارشاد فرماتے ہیں میں قسم کھاتا ہوں علم اور اس کی رفعت شان کی اور میں حلف کرتا ہوں دین و مذہب اور اس کی مستحکم بنیاد کی کہ جناب سید العلماء اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سب سے گوئے سبقت

لے گئے ہیں۔ بلکہ موجودین ہی نہیں جو علماء سابقین تھے، ان سے بھی میرے استاد کو وہی نسبت تھی جو ہمارے نبی ختمی مآبؐ کو اورانبیائے سابقین سے تھی۔ وہ اگرچہ ان پر زمانہ کی حیثیت سے مقدم تھے مگر مکان کی حیثیت سے پست تھے (اس عبارت میں جناب مفتی علام نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ فتامل وتدبر) اس کے بعد جناب مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں (کہ دل تو یہی چاہتا ہے میں ان کے واسطے کہوں) لیکن اگر یہ نہ کہوں کہ اگر نبیؐ رحمت کے زمانہ میں یہ ہوتے تو یقیناً ان کے بیان فضائل کے واسطے بھی آیات قرآن ضرور اترتے اور ان کے جد بزرگوار ان کو ابوذرؓ و سلمانؓ پر اس قدر فضیلت دیتے کہ دو آدمیوں کو بھی شک نہ رہتا (اگر یہ نہ بھی کہوں) تو یہ ضرور کہوں گا کہ اگر لوگ انصاف کریں اور حسد نہ کریں تو جناب سیدالعلماء کے اظہار مرتبہ کے واسطے عمومات آیات واحادیث ہی بہت کافی ہیں کیونکہ جو غور کر کے سنے ان آیات وروایات کو اسے معلوم ہوگا کہ وہ جناب خوف خدا میں فرد ہیں اور ان کی سیاہی خون شہداء سے بہتر ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ناہنجار زمانہ اور ذلیل دنیا اور دنیا والے مردہ پرست ہیں (اور قدر نعمت بعد زوال کرنے کے عادی ہیں) اور محض سنی سنائی پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں حسد یوں دوڑا ہوا ہے جس طرح روح جسم میں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ امیر عرب اپنے بعض خطبوں میں فرما چکے ہیں کہ حسد اس طرح ایمان کو نیست و نابود کر دیتی ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو جلا کر خاک کر دیتی ہے (اس کے بعد) حب علیٍ یا کل الذنوب الخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں) میں تو یہ جانتا ہوں کہ جناب سیدالعلماء کی محبت اس زمانہ میں ایمان کی مخصوص ترین دلیل ہے (اور میں یہ جانتا ہوں کہ آنجناب کی عداوت اس زمانہ میں نفاق کا بہترین ثبوت ہے۔) جناب مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے ان اقوال میں جو میری مخالفت کرے گا میں اس سے مجادلہ ومقابلہ کروں گا اور اگر کوئی مباہلہ کرے تو میں مباہلہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔ اور میں ان کے بہت سے دشمنوں کو مغلوب کر چکا ہوں اور جناب سیدالعلما کی دوستی میں اکثر لوگوں کی عداوت مول لے چکا ہوں اور میں نے ان کے دشمنوں میں سے کسی کی مدد کبھی نہیں کی اور میں نے ان کے عداوت کرنے والوں سے کبھی مدد نہیں مانگی۔ کیونکہ میں گمراہوں کو اپنا قوت بازو نہیں بناتا۔

اس عبارت میں جس طرح انتہائی فضائل کا تذکرہ ہے اسی طرح ان فضائل کے مرتبہ محکی عنہ اور حکایت دونوں کے حق اور مطابق واقع ہوئے، پر ان جملوں میں تاکید ہے جن میں جناب مفتی صاحب ارشاد کرتے ہیں کہ جو شخص میری اس مدح میں مخالفت کرے، میں اس سے مقابلہ کروں گا بلکہ اگر کوئی مباہلہ کرے تو میں اس کے واسطے بھی تیار ہوں۔ کاش مؤلف تجلیات اس قول کی عظمت سمجھیں اور سیدالعلماء کی جناب میں بے ادبی کرنے سے پہلے جناب مفتی صاحب کی روح پر فتوح سے مباہلہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں۔ یا اب اس مجادلہ اور مباہلہ پر کمر بستہ ہورہیں۔ جو ممکن ہے کہ میدان محشر میں جناب مفتی صاحب سے درپیش ہو۔

میرا قلم یہ خیال کر کے رکتا ہے کہ تجلیات جناب مفتی صاحب کی سوانح عمری ہے اور اس کی تالیف نہ سہی تو کم از کم واقعہ نگاری کی ذمہ دار ایک بزرگ ہستی ہے مگر مضامین تجلیات مجبور کرتے ہیں کہ نہیں، حق کی حمایت کرتے رہو یہاں تک کہ دنیا پہچان لے کہ باطل کیا ہے۔

قبل اس کے کہ میں تجلیات کے ان مطالب کو دہراؤں جہاں حق پوشی سے کام لیا ہے مجھے ناظرین سے عرض کرنا ہے کہ میں جناب مفتی علام کے کسی فضل وشرف کا نہ کبھی منکر تھا اور نہ اب ہوں۔ مجھے اقرار ہے کہ وہ علم میں، فضل میں، عبادت میں، زہد میں، حلم میں، کرم میں، غرض ہر صفت میں قابل صد ہزار ستائش و مدح تھے اور مجھے ان کے کسی فعل پر ایراد کرنا مقصود نہیں ہے۔ مگر مجھے شکایت ہے کہ مؤلف تجلیات نے بیان فضائل میں جس عدم تدبر اور واقعہ شناسی سے کام لیا ہے، اس نے نہ صرف ممدوح

تجلیات بلکہ خود اس تالیف کی وقعت صاحبان بصیرت کی نگاہ سے گرا دی ہے۔

ہر وہ شخص جسے خدا نے عقل دی ہے، اسے تسلیم کرے گا کہ عالم کا قاعدہ ہے کہ جس شخص کی مدح وثنا شروع کرتے ہیں، اس کے متعلق قوت متخیلہ کچھ مضامین ایجاد کرتی ہے جو ممدوح میں نہ تھے۔ بلکہ کبھی تو جوش ثنا واقعات میں ایسی تراش خراش کرنے پر تیار کر دیتا ہے جو موصوف کے واسطے مداح کی سطحی نظر میں سبب شرف مگر در اصل باعث منقصت و مذلت ہوجاتے ہیں۔ لیکن ایک بصیر مورخ یا سوانح نگار کا یہ کام ہے کہ وہ ہر جو ہر کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ لے کہ کون واقعہ درج کرنے کے قابل اور کون ترک کرنے کے قابل ہے۔ ہمیں حقیقی مؤلف تجلیات سے شکایت ہے اس کی کہ انھوں نے جس طرح خاندانِ اجتہاد کے محترم افراد پر حملہ کرنے میں کمی نہیں کی، اس طرح خود جناب مفتی صاحب کی ہجو ملیح کرنے میں قلم نہیں روکا اور جس طرح ہم جناب سلطان العلماء اور سید العلماء اور دیگر اکابرین خاندان اجتہاد کی حمایت کرنا اپنا فرض جانتے ہیں، اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم جناب مفتی صاحب کی بھی نصرت کریں، نہ صرف اسی وجہ سے کہ وہ ایک عالم دین تھے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ خاندانِ اجتہاد کے حق شناس اور سچّے دوست تھے۔ کاش مؤلف محترم ذرا تدبّر سے کام لیتے تو انھیں معلوم ہوجاتا کہ دوشیزہ کے حسن حقیقی کی تعریف اور اپنے دل کے بے قابو ہونے کا واقعہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی نسبت جناب مفتی صاحب کی ذات مقدس کی طرف صحیح سمجھی جائے۔

تجلیات کے صفحات کی کثیر تعداد اس امر کے ثبوت میں صرف کر دینا کہ جناب مفتی صاحب علوم ادبیہ میں یگانہ روزگار اور منفرد تھے، صرف بے محل تھا۔ مجھے اس میں شک نہیں کہ واقعہ یوں ہی تھا۔ مگر مؤلف تجلیات کو سمجھنا چاہئے تھا کہ علم ادب ان اہم علوم میں سے نہیں ہے جس کے تذکرہ میں ایک محترم تالیف کا بیشتر حصہ ختم کر دیا جائے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ایسی بزرگ ہستی کی عمر کا عزیز ترین حصہ کثرت کے ساتھ شعر وشاعری میں صرف ہوتا تھا۔

در حقیقت فحول علماء نے اصل علوم ادب کو نہیں قرار دیا ہے، بلکہ جن علوم کو اہمیت دی ہے، وہ علم کلام فقہ واصول وفلسفہ و حدیث وتفسیر وغیرہ ہیں اور اس کے علاوہ صرف ونحو، معانی وبیان، منطق وادب وغیرہ یہ سب علوم مذکورۂ بالا کے مبادی ومقدمات ہیں۔ اور یقینا اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مبادی میں اتنی سعی کہ عمر کا زائد حصہ اس میں صرف ہوجائے اور غرض اصلی فوت ہوتو قرین عقل نہیں ہے۔ زینے اس لئے ہوتے ہیں کہ چھت تک رسائی ممکن ہوجائے اس لئے نہیں ہوتے کہ انھیں میں مشغول ہوکر چھت کا خیال ترک کر دیا جائے۔

نیز یہ علوم جن کا شمار مقدمات میں ہے، زائد تر ان کی انتہا محض ظواہر اور بدیہیات پر ہے جن کی وجہ سے ان کو علوم قشریہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ لیکن فقہ واصول وفلسفہ وکلام وہ ایسے علوم ہیں جن کی بنا نظریات وعقل پر ہے۔ اسی وجہ سے علماء اسلام نے کبھی کوئی خاص وقعت ومنزلت علمِ ادب کو نہیں دی، ان علوم کا بقدر ضروریات حاصل کرنا کافی سمجھا۔ اور نہ کبھی اپنے ادیب ہونے پر ناز کیا۔ البتہ متکلم ہونا، فقیہ ہونا، یہ وہ فضائل ہیں جو ہمیشہ علوئے منزلت کی دلیل اور بلندی مرتبہ کی سند رہے۔ جناب محققؒ کا واقعہ مشہور ہے ایک مرتبہ آپ نے اپنی ادبیت کا کوئی بہترین نمونہ اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ محل یہ تھا کہ شفیق باپ بیٹے کی مدح وثنا کرتا۔ مگر نہیں، آپ کے چہرے پر رنج و صدمہ کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ بیٹا اگر اس کے بجائے کوئی فقہی کتاب تصنیف کرتے تو میری مسرت کی حد نہ ہوتی۔ مگر یہ میری خوشی میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرسکتا۔ اس وقت مطیع فرزند نے **شرایع الاسلام** سی بے نظیر کتاب تصنیف کی، جس کی عبارت دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ بیان مسائل میں ادبی قابلیت کا اظہار کہیں نہیں ہے۔ اسی طرح صاحب **معالم** اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ علم کلام کے بعد اگر کوئی علم ہے کہ جس

میں اپنی عمر صرف کرے تو وہ فقہ ہے۔

یوں ہی تمام علماء بس اتنا ہی کافی سمجھے کہ علوم قشریہ بقدر ضرورت حاصل ہو جائیں لیکن ان کو کسی عالم نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ اور اس کی وجہ نہ یہ تھی کہ میلان طبعی اس ترجیح کا مقتضی تھا اور نہ صرف یہ کہ دلیل عقلی یہی کہتی تھی۔ بلکہ روایات نے بھی اگر ترجیح دی ہے تو انہیں علوم کو۔ بلکہ اگر علم کہا ہے، تو صرف انہیں کو اور اگر ابھارا ہے تو انھیں کی تعلیم پر۔ موسی ابن جعفر علیہا السلام فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف لائے۔ ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا **ماھذا** (یہ کیا ہے؟) لوگوں نے عرض کی، یا رسولؐ اللہ! یہ علامہ ہے۔ فرمایا: **وما العلامہ** علامہ کیا، **فقالو اعلم الناس بانساب العرب وقایعھا و ایام الجاھلیة والاشعار العربیه**، لوگوں نے عرض کی یہ شخص انساب عرب کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اور علم واقعات عرب میں بھی سب سے زائد ہے اور یوں ہی ایام جاہلیت کے حالات بھی خوب جانتا ہے۔ اور عربوں کے شعر بھی اسے سب سے زائد یاد ہیں۔ **فقال النبیؐ ذاک علم لا یضر من جھله ولا ینفع من علمه انما العلم ثلثه ایة محکمة او فریضة عادلة او سنة قائمة و ما خلا من فھو فضل** حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو وہ علم ہے کہ نہ اس شخص کا کوئی نقصان ہے جو اسے نہ جانے اور نہ اس کے جاننے والے کا کوئی نفع ہے۔ البتہ علم تین ہیں: ایک آیہ محکمہ (یعنی قرآن کا علم، دوسرے فریضہ عادلہ (یعنی احکام خدا پر عمل کرنے کے کیفیات کا علم) تیسرے سنت جاریہ (یعنی احادیث کا علم، اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ فضل ہے (علم نہیں ہے)۔ اس کے علاوہ کسی روایت میں ارشاد ہوا **لان المومنین الفقھاء حصون الاسلام** جو مومن فقیہ ہو وہ اسلام کا قلعہ ہے۔ کسی روایت میں ارشاد ہوا کہ میں یہ اچھا سمجھتا ہوں کہ میرے اصحاب کے سروں پر تازیانے لگائے جائیں تا کہ وہ فقہ حاصل کریں۔ اسی طرح امیرالمومنینؑ کا وہ خطبہ جس میں ارشاد ہوا **اول الدین معرفته** وہ بھی فضیلت علم کلام کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اگر شعر وشاعری نظر شریعت میں کوئی فضیلت رکھتی ہوتی تو صدر قرآن میں رسولؐ کے متعلق **وما علمناہ الشعر و ماینبغی له** (نہ ہم نے اپنے رسولؐ کو شعر گوئی بتائی اور نہ اس کے واسطے سزاوار ہے۔) نہ ہوتا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شعر تو صرف وہ مذموم یا لائق ترک ہیں جو مضامین باطلہ پر مشتمل ہوں لیکن جو اشعار کہ مطالب حقہ پر مشتمل ہوں وہ لائق ترک نہیں ہیں، تو میں عرض کروں گا کہ کیا آپ کو یہ گمان ہے کہ اگر رسول شعر کہتے تو ایسے ہی کہتے کہ جن میں مطالب باطلہ ہی ہوتے۔ ہرگز نہیں، اس زبان طیب وطاہر پر نہ کبھی باطل جاری ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ جس طرح آپ کی نثر ہمیشہ حق تھی اسی طرح اگر آپ شعر نظم کرتے تو ان میں بھی باطل کی چھاؤں نظر نہ آتی، مگر پھر بھی خدا نے فرمادیا ہے: **وما ینبغی له** شان رسالت شاعری سے ارفع ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اشعار حقہ بھی مرتبہ رسالت سے گرے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے علمائے اعلام اعصار سابقہ اور نیز خاندان اجتہاد کے علماء و مجتہدین نے کبھی علوم ادبیہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور نہ اس کے اظہار کو سبب فخر سمجھے کہ ہم ادیب کامل ہیں۔ چنانچہ خود جناب سلطان العلماء رضوان مآب طاب ثراہ کے وہ فقرات جو آپ نے اس خط میں تحریر فرمائے ہیں جو جناب شیخ احمد یمنی کو تحریر فرمایا تھا اس کے اثبات کے واسطے کافی ہے کہ یہ حضرات ان علوم کو کوئی خاص وقعت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ آپ اپنے پدر بزرگوار جناب غفرانمآبؒ کی جامعیت علوم کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: **وان استقصنا سائر العلوم لطال الکلام وفی ذلک کفایة لاولی الاحلام دمه ماسمعت و وعیت منکیت وکیت لا یصرف الھمة الا فی العلوم الدینیه والمعارف الحقه الیقینیه فانھا ذروة العلوم وراسھا وسنام الکمالات واساسھا واعلاھا ماثراً واسنا ھا مفاخراً فھو دام فضله جعلھا شعارہ و دثارہ ویصرف فیھا لیله ونھارہ و بین ان من یبحث عن العلویات کیف یتوجه**

الی السقلیات ومن اعناد المغوص فی بحج الحکم الالھیہ انالہ التوجہ الی جداول الفنون الالیہ الخ۔

اس کے علاوہ خود جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے بھی اپنے استاد کے مواعظ وخطب کو ذکر کرتے ہوئے اوراق الذھب کے معدن ثالث میں ارشاد فرمایا ہے:

وقد عرفت مما تلونا علیک والقینا الیک ان سیدنا ھذا ایدہ اللہ بالنصر والتمکین مھد قرا قواعد الدین بامتن الدلائل والبراھین ومن المقرر المعلوم فی علم المیزان ان الخطابۃ ادون من البرھان اذنباء ھا علی الظن والتخمین وبنائہ علی القطع والیقین۔

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ خود جناب مفتی صاحب بھی علوم ادبیہ کو علوم دینیہ سے بدرجہا پست جانتے تھے۔

میرا اس بیان سے ہرگز بھی یہ مقصد نہ تھا کہ میں معاذ اللہ اس کا منکر ہوں کہ جناب مفتی صاحب کو فقہ واصول میں مہارت نہ تھی۔ ہرگز نہیں، بلکہ مجھ کو یہ دیکھ کر رنج ہوتا ہے کہ ایک نفس مقدس کی سوانح عمری کے کثیر ورق محض اس امر کے ثبوت میں صرف کردیے گئے کہ وہ بے نظیر شاعر تھے اور خصوصاً وہ مقامات کس قدر تعجب خیز ہیں جہاں آم کی مذمت خربوزہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ مندرج ہے۔ کاش! یہ قیمتی صفحات علامۂ ممدوح کے فقہ واصول میں کامل ہونے کے ثبوت میں صرف کئے جاتے۔ ان تمام مقامات سے زائد جناب مؤلف محترم نے جس مقام پر اپنے تسامح کا کافی ثبوت دیا ہے، وہ مرزا محمد ابن مرزا محمد امان کا واقعہ ہے، جس میں جناب مفتی صاحب کی طرف العیاذ باللہ اس امر کی نسبت دی گئی ہے کہ آپ رسالہ تصنیف فرما کے اس میں مرزا محمد کا نام ڈال دیا کرتے تھے اور انھیں رسالوں میں سے ایک رسالہ کو دکھا کر مرزا محمد نے علمائے عراق کو دھوکا دیا۔ اور اجازات حاصل کرلئے۔ افسوس! افسوس!! مؤلفِ تجلیات کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ میری مدح مذمت سے بدل گئی اور زمانہ اگر اسی کو ہجو ملیح کہے تو بیجا نہ ہوگا۔ کہاں مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کا دامن تقوی اور کہاں ایک جاہل کی دھوکا دہی میں اعانت بلکہ آلات تدلیس خود مہیا کر کے مدلس کے ہاتھ میں دینا۔ دل تو یہی کہتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل بے اصل ہوگا۔ مگر کاتب کا نہیب زبان بندی کو تیار ہے۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ؎

غم صیّاد و فکر باغباں ہے
دو عملہ میں ہمارا آشیاں ہے

مندرجہ بالا واقعات جو ہماری نظر میں ہرگز اس قابل نہ تھے کہ سوانح عمری کی زینت سمجھے جاتے ان واقعات کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں جن میں عدم تحقیق سے کام لے کر تالیف کی وقعت گھٹائی گئی ہے۔

اگر کوئی بابصارت شخص اس سانحہ کے اسباب وعلل پر غور کرے تو محبت اور عداوت دونوں جذبہ مختلف مقامات میں داعی و محرک نظر آئیں گے۔ اگر ایک مقام پر انتہائے محبت نے حب الشئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا مصداق بن کر زبان قلم کو لائق وغیر لائق ہر میدان میں بے قابو کردیا، تو دوسرے محل پر خاندان اجتہاد کی قلبی مخالفت نے تحریر میں تسامح جائز کر کے مضمار بیان کشادہ کردیا، جس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ جناب علامہ فہامہ مولانا سید کلب باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ ہندوستان کے تمام رطب ویابس سے دامن کش ہوکر ہمیشہ کے واسطے عراق میں متوطن ہوگئے، ان کو بھی تعلقات خاندان اجتہاد کی وجہ سے حضوری کا شرف اور تاریخ پر اصلاح لینے کی فضیلت دیے بغیر نہ چھوڑا۔

اگر یہ واقعہ کوئی اصل رکھتا ہوتا تو ہم جناب موصوف الصدر کے واسطے اس کو منقصت نہ سمجھتے لیکن افسوس اس کا ہے کہ جناب مولانا موصوف کے کسی صاحبزادے کا ہندوستان میں انتقال کرنا (جس کی تاریخ رحلت پر جناب مفتی صاحب نے اصلاح فرمائی ہو۔) ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب مولانا سید کلب باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ کی زوجہ اولیٰ سے مولانا السید کلب مہدی صاحب قبلہ دامت برکاتہ ماشاء اللہ اس وقت تک رونق بخش مسندِ اجتہاد

ہیں اور اس کے بعد جو عقد کر بلائے معلیٰ میں کئے ان کی بعض اولادیں ضائع ہوئیں مگر ان کی رحلت کا زمانہ جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے انتقال کے بعد کا ہے۔

اگر چہ ابھی بہت سے امور اس قابل تھے کہ تمہید میں ذکر کئے جاتے مگر ہم بخوف طول کلام ان امور کو جواب الجواب کے واسطے ذخیرہ کرتے ہوئے۔ ناظرین کی زحمت کا لحاظ کر کے صرف چند ابواب کی توضیح ورد وقدح پر فی الحال اکتفا کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے تجلیات کے جھلملاتے ہوئے چراغوں کے واسطے باد حقیقت کے صرف آٹھ جھونکے کافی سمجھے گئے ہیں جن کی توضیح کے لئے آٹھ نظروں میں اس رسالہ کی تقسیم قرار دی گئی ہے۔

وهاانا اشرع فی تحریر المقصود والبیان بعون الملک المنان۔

نظر اول: جناب مفتی صاحب کی تحصیل علوم

اس باب میں اگر چہ اکثر مقامات قابل نظر تھے۔ مگر ہم سب کو ترک کرتے ہوئے صرف ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہیں، جس میں مؤلف تجلیات نے اپنے خیال میں اس اہم مرحلہ کے طے کرنے کی ابتداء کی ہے، جس کی منزل میں آپ اپنے ممدوح کو خاندان اجتہاد کے احسان سے سبک بار کرنے کی سعی کو کامیاب سمجھ چکے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

چودھویں برس انھوں نے (جناب مفتی صاحب نے) مستقل طور سے کتب بینی شروع کر دی اور اس مشغلہ سے اپنی معلومات کے دائرہ کو بلا اعانت غیر کے اس قدر وسیع کیا کہ اٹھارویں برس وہ ایک زبردست عالم ہو گئے۔ اس عبارت کا جو کچھ مطلب ہے وہ ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، مگر مزید توضیح و تفصیل کر کے میں صرف اس قدر ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مؤلف نے اس بیان سے دو باتوں پر اپنے خیال میں روشنی ڈالی ہے۔ پہلے یہ کہ جناب مفتی صاحب نے مقدمات کے علاوہ اصل علوم میں کسی سے استفادہ نہیں کیا اور آپ کا جو کچھ فضل و شرف تھا، وہ کسی اور سے حاصل کیا ہوا نہ تھا بلکہ خود اپنی کتب بینی کے ذریعے سے اسے حاصل کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ جناب مفتی صاحب اٹھارویں برس زبردست عالم ہو گئے۔

ہمیں جناب مؤلف سے باادب کہنا ہے کہ یہ دونوں دعوے جناب کے خود آپ ہی کے اس بیان سے پا در ہوا نظر آتے ہیں، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جناب مفتی صاحب کے درس کی ابتداء جناب سید العلماء کی خدمت میں اٹھارہ برس کے سن میں **شرائع الاسلام** سے ہوئی (ملاحظہ ہو تجلیات صفحہ ۲۹) اور دنیا جانتی ہے کہ **شرائع الاسلام** درس سطحی کی ان ابتدائی کتابوں میں داخل ہے جسے عموماً آج کل کے طالب علم ۱۷، ۱۸ برس کے سن میں شروع کر دیتے ہیں۔ جس طرح خود مؤلف کے بیان سے عالم زبردست ہوجانے کی حقیقت واضح ہوگئی ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود اپنی ہی کتب بینی ذریعہ فضل و کمال ہو یا کسی کی تعلیم نے منزلت علمی تک بلند کر دیا۔ بہتر تھا کہ مؤلف یوں فرماتے کہ کتب بینی کر کے اٹھارہ برس کے سن میں اس قابل ہو گئے کہ سلطان العلماء سے عالم جلیل کی خدمت میں حاضر ہو سکیں تا کہ واقعہ سے بھی مطابقت رہتی اور مدح بھی ناتمام نہ رہتی کیونکہ کسی جلیل القدر عالم سے اکتساب علوم کرنا بھی اس طالب علم کا کام ہے جو فی الجملہ پایہ کمال کے قریب پہنچ چکا ہو۔

جناب سید العلماء کی خدمت میں مفتی صاحب کی تعلیم

باب تعلیم میں یہ فصل اس قدر اہم تھی کہ جس کی توضیح و تفصیل میں اگر مولّف تجلیات اپنی ضخیم کتاب کے نصف ورق بھی ختم کر دیتے تو شاید حق بیان پھر بھی شکوہ کن ہی رہتا، مگر ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مؤلف تجلیات نے مختصر عبارات میں اس باب کو ختم کر دینا اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق اور غرض تصنیف کے موافق جانا ان مجمل اور مختصر بیانات سے تو زائد بہتر تھا کہ اگر اصل تلمذ سے انکار نہ کر سکتے تھے تو اس فصل کو

سرے سے حذف ہی کر دیا ہوتا۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ وہ جناب سید العلماء جن کی تعلیم نے مفتی صاحب مرحوم کو اس قابل کر دیا کہ صنفِ علما و مجتہدین میں پایہ بلند کے مستحق ہوسکیں ان سے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے جناب مولف رقمطراز ہیں: ''آپ نے بعض کتب درسیہ اور بعض کتب فقہ و حدیث سید العلماء سے پڑھے۔ **ریاض المسائل** جو شرح کبیر کے نام سے مشہور ہے، اس کے بھی بعض اجزاء پڑھے'' یہ ہے وہ عبارت جس میں غور کرنے سے ہر عاقل اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ مؤلف **تجلیات** نے اپنا تمام زور قلم اور انشاء پردازی کی قوت کو صرف اس لئے صرف کر دیا ہے کہ الفاظ کی کمزوری اور عبارت کے گھماؤ سے یہ ثابت کر دیں کہ جناب مفتی صاحب نے جناب سید العلماء سے تعلیم حاصل کی، مگر وہ اس قابل نہ تھی کہ آپ کی تمام ترقی اور علم و فضل کا ذریعہ اس تعلیم کو قرار دیا جائے، لیکن دراصل یہ واقعات پر پردہ اور حقیقت کے اخفا کی سعی لاحاصل ہے اور ہم خود مؤلف **تجلیات** کے قول اور سب سے بڑھ کر جناب مفتی صاحب کے کلام سے اس امر کو ثابت کریں گے کہ مفتی علام کو جو کچھ حاصل ہوا وہ فقط جناب سید العلماء کی تعلیم سے حاصل ہوا۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس مقام پر تو مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ ممدوح **تجلیات** نے جو کچھ اپنے استاد سے حاصل کیا، وہ بہت ہی قلیل اور ناقابل التفات تھا۔ مگر اس سے کچھ ہی قبل آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب مفتی صاحب کی سید العلما سے سلسلہ تعلیم کی ابتداء شرائع الاسلام سے تھی۔''

جو لوگ ذرا بھی علوم عربیہ سے واقف ہیں، وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ شرائع الاسلام فقہ کی ابتدائی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور آج بھی ہر مدرسہ کا نظام درسی میرے اس بیان کی شہادت دینے کو موجود ہے۔ اور جب یہ مسلم ہے کہ یہ ابتدائی کتاب ہے اور شرائع پڑھنے والے کو یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ شرح کبیر پڑھ سکے تو یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ شرائع اور شرح کبیر کی درمیانی کتابیں بھی جناب مفتی صاحب نے اسی حلقہ درس میں ختم کی تھیں۔

اس کے علاوہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ ابتداء شرائع الاسلام سے تھی تو یا مولف **تجلیات** کو بتانا ہوگا کہ جناب مفتی صاحب قبلہ نے فقہ کی منتہائی کتابیں جناب سید العلماء کے علاوہ کسی اور استاد سے پڑھیں اور یا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جس سلسلہ درس میں فقہ کی ابتدا کی تھی اسی مدرسہ سے انتہا کی سند لے کر اٹھے اور اس ایک استاد کے فیض تعلیم نے اس قابل بنایا کہ صفوف علماء میں داخل ہوسکیں۔

دوسرے یہ کہ مولف نے جن علوم کی تحصیل پر اپنے کلام کو ختم کر دیا ہے، وہیں یہ سلسلہ ختم نہیں ہے بلکہ علم ہندسہ بھی جناب مفتی صاحب نے جناب سید العلما سے حاصل کیا۔ چنانچہ **تجلیات** میں جناب مفتی صاحب کی غزارت علم ہندسہ کو حکایات و واقعات کے ساتھ بہت زبردست عبارت میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ حکایات و واقعات مفتی صاحب کی عبارت مندرجہ **اوراق الذهب** سے کتر بیونت کر کے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور جن الفاظ میں مفتی صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ علم ہندسہ میں ان کا حقیقی استاد کون تھا، اسے حذف کرینا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ مفتی علام تحریر اقلیدس کے متعلق **اوراق الذهب** میں ارشاد فرماتے ہیں **ثم قراته علی صدر الشريعة سيدنا هذا بعد ذلک مرة اخری فاستخرجت لاشكاله اختلافات الوقوع و قد كنت استصعبها جدا قبل الشروع** (اوراق الذهب صفحہ ۱۷) پھر میں نے تحریر اقلیدس کو بار دیگر صدر الشریعۃ حضرت سید العلماء سے پڑھا اور میں نے اس کے اشکال کے واسطے وقوع میں اختلاف کو حاصل کیا درآنحالیکہ میں شروع سے پہلے ان کو بہت سخت سمجھتا تھا۔ دنیا انصاف کرے کہ کس کس طریقہ سے فضیلت اساتذۂ کرام کو پوشیدہ کرنے کی **تجلیات** میں سعی کی گئی ہے۔

علم کلام میں بھی جناب مفتی صاحب اس ابر کرم کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ جس کو خود جناب سید العلماء نے اس اجازہ

میں ذکر کیا جو مفتی صاحب کے واسطے تحریر فرمایا تھا۔

اور اس سب کے علاوہ خود جناب مفتی صاحب مرحوم کو اس امر کا اقرار ہے کہ میں نے جو کچھ پایا، وہ صرف اس در سے پایا۔ ملاحظہ ہو کتاب **المعاد الذهبيه اللجسينيه فی المحاسن الوهبية الحسينيه** جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے ۔ **وبالجمله فقراة عليه شطرا واقيا من الكتب الدينية و تلقفت منه خطاً كافيا من المعارف اليقينيه واقتضيت اثره فی کل خطوة و کان لی به فی کل شئی اسوة** جس کا ترجمہ یہ ہے ''مختصر یہ ہے کہ میں نے جناب سید العلماء سے بہت زائد حصہ کتب دینیہ کا پڑھا اور معارف یقینیہ کا بہت کافی حصہ ان سے حاصل کیا۔ اور میں نے ہر بات میں ان کے نقش قدم پر قدم رکھ کے چلنے کی کوشش کی اور میں ہر شئی میں ان کی پیروی کرتا ہوں۔'' اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک معتد بہ حصہ دینی کتابوں کا جناب سید العلما سے پڑھا تھا۔ اور آپ نے انھیں جناب کے نقش قدم کو اپنی راہ ہدایت بنایا تھا اور اپنی ہر سیرت کو ان کے اتباع کا نمونہ بنایا تھا اور جو کچھ بھی دنیائے علم میں آپ کے علم کی چھوٹ پڑی، وہ سب سید العلماء کے آفتاب علم سے کسبِ ضیاء کرنے کا اثر تھا اور خود جناب مفتی صاحب اس پر فخر کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک طویل تحریر کے ضمن میں جس کو ہم آئندہ اس کے محل پر ذکر کریں گے، اس کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے جو کچھ پایا اس در سے پایا۔ چنانچہ جناب مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> **ان افضل النعم واصل المجد والكرم هو العلم والحكم وما هی عندی الاقطوف دانية اجتينتها من حفرتك السامية الحاكية عن الجنته العاليه۔**

سب سے بہتر نعمت اور مجد و کرم کی اصل علم وحکمت ہے اور میرے پاس جو کچھ بھی علم و فضل ہے وہ سب حضور ہی کے باغ سے چنے ہوئے ثمر اور آپ کے اس چمن حکمت کے پھول ہیں جو دنیا میں جنت نظیر کہے جانے کا مستحق ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

ان العلم والدين قد حصلا لی بتلقينك واللسان والقلم قد جريا فی تبيين مقالی بتعليمك وتقنينك۔

> یعنی مجھ کو علم دین جو کچھ حاصل ہوا، وہ صرف آپ کے بتانے سے اور میرا قلم اور میری زبان جو کچھ بھی ادائے مطلب کرسکی وہ صرف آپ کی تعلیم سے۔

اب تو شاید کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مؤلف **تجلیات** نے جس فصل کو اس قدر مختصر الفاظ میں ختم کردینا چاہا تھا، وہی فصل ایسے تذکروں سے مالا مال ہونا چاہئے۔ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ جناب مفتی علام شجرۂ علم خاندان اجتہاد کی ایک بالی اور اس باغ علم کی گلچینی سے ان کا دامن لبریز تھا۔ آج **تجلیات** کے صفحوں پر جس احسان کا بار گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے، اس احسان کی سنگینی مفتی علام سا منصف مزاج عالم۔ **اوراق الذهب** میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کر رہا ہے: **فوجدته فی مجلسه علی ما ذكر فی الديباجة كالمصباح فی زجاجة الدجاجة كانها كوكب دری فاكتسبت من انواره وارتشقت من بحره انهاراً ولو ان لی بازاء كل شعرة لساناً ورجزاء كل خطرة بياناً لما استغرفت ذكر كرمه وما استوعبت شكر نعمه۔**

جناب مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں ابتداً سید العلماء کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حلقہ حاضرین میں ان کو اس طرح پایا جس طرح فانوس میں چراغ روشن ہو۔ اور فانوس تارے کی طرح چمک رہی ہو۔ میں نے ان کے انوار سے کسبِ ضیاء کی اور ان کے بحار علم سے سیر ہوا اور ان کے مجھ پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر میرا ہر بال زبان بن جائے تو بھی نہ میں پورے طور سے ان کے کرم کا ذکر کرسکتا ہوں اور نہ شکر نعمت ادا کرسکتا ہوں۔

اس مختصر بیان سے ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نہ احسان فراموش تھے اور نہ حقیقت پوش لیکن قلم دوسروں کے ہاتھ میں ہے اور زمانہ خود ان حضرات کو نگاہوں سے پوشیدہ کرکے عاشقان دنیا کو واقعہ کے اخفا کی تعلیم دے چکا ہے۔

ہم اس تذکرہ کو ختم کرنے سے پہلے ناظرین کرام کو یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ جناب مفتی صاحب نے جناب سیدالعلماء سے کتنی مدت تک فیض حاصل کیا اور کتنے زمانہ تک اس بحر علم سے سیر ہوتے رہے۔

ہمیں اس سوال کے جواب میں بھی خود جناب مفتی صاحب ہی کے مصنفات ومؤلفات کی ورق گردانی کرنا پڑی اور آخر اوراق الذہب ہی نے اپنے جواہر میں اس مطلب کو بھی حل کردیا۔ چنانچہ جناب مفتی صاحب اپنی تصنیف **جلجلة السحاب** کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وقد نشرف هذه الجمله بملاحظه السيد السند

اوراس کتاب نے ملاحظہ جناب سیدالعلماء سے گذرنے کا شرف حاصل کیا اس کتاب پر سیدالعلماء کی تقریظ کا سنہ ۱۲۶۳ھ ہے۔ اور دوسری کتاب **نصر المومنین** کے متعلق جناب مفتی صاحب لکھتے ہیں: **ونظر فيه ايضاً سيدالعلماء لازال فضله محسود الاعداء الخ** اس کتاب پر بھی جناب سیدالعلماء نے نظر ثانی فرمائی اور یہ نظر ۱۲۶۶ھ میں ہوئی۔ اب اگر اس سنہ کو سنہ ولادت سے مطابق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بیالیس (۴۲) برس کی عمر تک جناب مفتی صاحب برابر اپنے استاد محترم سے فیض حاصل کرتے رہے اور یقینا بافہم شاگرد استاد کی نظر کو بلا دلیل نہیں قبول کرسکتا۔ اس لئے ہر شخص کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اگرچہ واقعات میں اس کی صراحت نہ ہو لیکن یہ لازمی ہے کہ جناب مفتی صاحب مقامات اصلاح بغیر وجہ اصلاح معلوم کئے ہوئے قبول نہ کرتے ہوں گے اور یہاں وجہ اصلاح خود فی نفسہ وہ فیض تھا جس کو تعلیم سے تعبیر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر ہم وہ اٹھارہ برس نکال بھی ڈالیں جس میں ممدوح **تجلیات** ابتدا کی تعلیم دیگر اساتذہ سے حاصل کرکے اس قابل ہوئے کہ سیدالعلماء کے سے عالم بزرگ کے حلقہ درس میں زانوئے ادب تہہ کرسکیں تو بھی تقریباً چوبیس برس تک جناب سیدالعلماء سے تعلیم وفیض حاصل کرنے کا خود جناب مفتی صاحب کو اعتراف ہے اور یہ مدت معلوم ہوجانے کے بعد اگر کوئی عاقل اسے قبول کرسکتا ہے کہ سیدالعلماء کے تلمذ کے ذکر میں مؤلّف **تجلّیات** کے کمزور الفاظ اور گھٹائی ہوئی فہرست قابل قبول ہے تو مجھے بھی اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا کہ جو کچھ آپ نے اپنے استاد سے حاصل کیا، وہ بہت ہی جلیل اور نا قابل التفات تھا۔

دوسری نظر: اجازات واسانید

اس باب میں بہت سے صفحے صرف کرکے مؤلف **تجلیات** نے ایک جا نکاہ کوشش اس بات کی اور کی ہے کہ جناب غفرآن مآب اور ان کے فضل وشرف کو کم کرکے دکھایا جائے اور اس مقام پر یاوری بخت نے ایک متمسک بھی مہیا کردیا ہے، جس کو عروۃ الوثقیٰ سمجھ کر ایڑی چوٹی کا زور اپنی دیرینہ آرزو نکالنے میں ختم کردیا گیا ہے۔ مگر حق پھر حق ہے جو **يعلو ولا يعلى** کی سند حاصل کرچکا ہے۔

اس باب اسانید واجازات میں سب سے پہلے یہ دکھایا گیا ہے کہ جناب سیدالعلماء نے جناب مفتی صاحب کو سات مرتبہ اجازہ مرحمت کیا۔ گویا ایک ابر کرم تھا جس کی بارش جھوم جھوم کر ہورہی تھی۔ ہمیں اس میں بحث نہیں کہ جناب سیدالعلماء نے اجازے ضرور دیئے اور در اصل جناب مفتی صاحب ان اجازات کے اہل تھے مگر کاش مؤلّف محترم کا قلم اسی حد پر رک جاتا اور تعداد اجازات بڑھانے میں ایسے راستے اختیار نہ کرتے جہاں دوسروں کو قلم اٹھانے کی جرأت ہوتی کیا کوئی شخص جناب مفتی صاحب کے علم وفضل یا ان کے موثق بہ ہونے کا منکر تھا کہ ثبوت توفیق اور ان کی بیان کی ہوئی روایت کو سند صحیح ثابت کرنے میں زور قلم ختم کردیا گیا اور مرزا محمد کے اجازات زبردستی

جناب مفتی صاحب کی طرف منسوب کرنا ضروری سمجھے گئے۔

یہی مقام ہے کہ جس کی طرف ہم سابقاً بھی اشارہ کر چکے اور اس وقت پھر ایک نظر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن پہلی نظر صرف اس اعتبار سے تھی کہ واقعہ اس قابل تھا یا نہیں کہ جناب مفتی صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح سمجھی جائے اور دوسری نظر اس حیثیت سے غض بصر کر کے صرف اس اعتبار سے ہے کہ آیا یہ اجازات جناب مفتی صاحب کے اجازات قرار پاسکتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح مؤلف تجلیات ان اجازات کو مرزا محمد ابن مرزا محمد امان کے واسطے جعلی اور فرضی قرار دیتے ہیں، اسی طرح جعل مؤلف ان اجازات کو جناب مفتی صاحب کے اجازات بھی نہیں ثابت کر سکتا۔ کیونکہ یہ اجازات نہ اس کتاب کو دیے گئے تھے جو بقول مؤلف تجلیات جناب مفتی صاحب نے تالیف کر کے مرزا محمد کو دیے تھے اور نہ مولّف کتاب کو دیئے گئے تھے۔ بلکہ دراصل وہ مرزا محمد ابن مرزا امان ہی کو دیئے گئے تھے۔ اولاً تو ان معنوں سے کہ ذریعہ حصول جو کچھ بھی ہو، لیکن دراصل اجازات اس شخص کو دیئے گئے تھے کہ جو مرزا محمد کے نام سے موسوم تھا۔ لہٰذا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مرزا محمد بالکل ہی نا قابل تھے۔ اور اگر ان کی عدم قابلیت علمائے عراق پر ظاہر ہو جاتی تو وہ حضرات ان کو اجازت نہ دیتے، تو بھی یہ کہنا کہ حقیقی مؤلف کے اجازے تھے۔ اس طرح مشکل و دشوار ہے جس طرح مسئلہ اختلاف قصد و اشارہ میں ترجیح احد طرفین میں علماء نے اشکال کیا ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مرزا محمد میں اجازہ حاصل کرنے کی قابلیت نہ تھی اور جو اجازات ان کو ملے وہ بربنائے رسالہ تھے، حالانکہ ایسا نہ تھا بلکہ مرزا محمد کی ذاتی قابلیت بھی اس کی مقتضی تھی کہ وہ اجازات حاصل کرسکیں اور علمائے عراق نے ہرگز بھی محض رسالہ دیکھ کر اجازہ نہ دیا تھا۔ بلکہ منزلت علمی اختبار و امتحان کے بعد پہچان لی تھی۔ جیسا کہ خود جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ اوراق الذہب میں ارشاد فرماتے ہیں:

والعجب ان الشيخ (اى صاحب الجواہر) قد بلاه واختبره كما اخبرته عن نفسه فيما يحكيه عن اجازة العتبرة وكذلك استجاز الاخرين فاجازواله۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ صاحب جواھر نے اپنے اجازہ میں جو مرزا محمد کو عطا کیا ہے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے مرزا محمد کا امتحان اور اختبار کرنے کے بعد اجازہ دیا۔

اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ محض رسالہ دیکھ کر اجازہ نہیں دیا گیا۔ لہٰذا اجازات کو اصل مصنف رسالہ کی طرف پلٹانا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ البتہ اگر کہا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ جناب مفتی صاحب جس شخص کو نا قابل سمجھتے تھے اس کو صاحب جواھر نے کس طرح قابل سمجھ لیا کہ جناب مفتی صاحب کو تعجب کرنے کا محل ہوا، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں: یا مرزا محمد میں اجازے پانے کی ذاتی قابلیت تھی اور یا نہ تھی۔ جس شق کو بھی اختیار کیا جائے، تو دوسرے کی تکذیب ضروری ہے۔ مگر یہ بڑوں کی باتیں ہیں ان کو ہم انھیں کے ساتھ چھوڑنا ضروری جانتے ہیں۔

لیکن ہمارا جو کچھ مقصد تھا، وہ بہر حال حاصل ہے۔ اور یہ اجازات کسی طرح بھی جناب مفتی صاحب کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ عبارت مندرجۂ بالا پر نظر کرنے کے بعد کس قدر صورتیں پیدا ہوسکتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) مرزا محمد میں ذاتی قابلیت موجود تھی— اس صورت میں بلاشک وہ اجازے مرزا محمد ہی کے تھے۔

(۲) ذاتی قابلیت نہ تھی— تو سوال یہ ہوتا ہے صاحب جواھر نے کیوں کر لکھا کہ میں نے امتحان کے بعد اجازہ دیا، دو حال سے خالی نہیں یا امتحان نہ لیا تھا اور معاذ اللہ جھوٹ لکھا، تو جو اس طرح کذب صریح کا ارتکاب جائز جانتا ہو۔ اس سے یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح معاذ اللہ ایک غلط امر

اجازے میں مندرج کردیا، اسی طرح اس نے در اصل اس نا قابل ہی کو اجازہ دے دیا ہو اور اس صورت میں مجاز کے علاوہ کوئی شخص اس اجازے سے فائدہ نہیں حاصل کرسکتا۔

(۳) یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ اجازہ فرضی اور جعلی تھا اور صاحب جواھر کا تھا ہی نہیں، تو اس صورت میں اولاً تو ایک مومن کی طرف بلا ثبوت جعل کی نسبت دینا ہوگی۔ اور اس کے بعد بھی جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ اجازہ جعلی اور فرضی ہے اور صاحب جواھر کا لکھا ہوا نہیں ہے تو پھر جس طرح اس سے مرزا محمد فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اسی طرح جناب مفتی صاحب کی طرف ان کی استناد کر کے بھی کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ **فانهم و تدبر و لا غرو فان الجواد قد يكبوا۔**

مولّفِ تجلیات مرزا محمد کے اجازے کا تذکرہ کر کے اپنے اس مقصد اصلی کی تکمیل کرنا چاہتے تھے کہ جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کو اگر جناب سید العلماء اجازہ نہ دیتے تو بھی ان کے پاس اجازات موجود اور ان کا سلسلہ روایت کامل تھا۔ لیکن ناظرین نے دیکھ لیا کہ روایت کے سلسلہ میں جناب مفتی صاحب کو منسلک کرنے والا سوائے جناب سید العلماءؒ کے کوئی اور نہ تھا اور اگر جناب سید العلماء اجازہ نہ دیتے تو جناب مفتی صاحب اپنے فضل و کمال کے بعد بھی بے سلسلہ رہتے اور جو فخر اب مفتی صاحب کو حاصل ہے کہ وہ یہ فرما سکتے ہیں کہ میں بالواسطہ ائمہ اور رسولؐ سے روایت کرتا ہوں، یہ فخر نہ حاصل ہوتا۔ یہ بعینہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اپنے رسولؐ کے لئے ثابت کرتے ہیں کہ وہ ذوجہتین تھے۔ اور انھیں کے ذریعے سے عباد اپنے معبود تک پہنچ سکے۔ لیکن جس طرح رسولؐ کو محض واسطہ کہہ کر حذف نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح سید العلماء کے بار احسان سے بھی سبک فرمانا ناممکن ہے **ذالک فضل اللہ من شاء فلیو من و من شاء فلیکفر** اس تذکرہ کو ختم کرکے تتمہ میں مولّفِ تجلیات نے ایک اہم کوشش اپنی ہمّت کے بقدر یہ دکھانے میں کی ہے کہ علمائے خاندان اجتہاد اگر کچھ تھے وہ اس قدر کہ ان حضرات نے جناب مفتی علّام کے جدّ علام جناب نعمت اللہ جزائری کے علم و فضل کو عراق سے ہندوستان لاکر ان کے پوتے کے سپرد کردیا اور در اصل یہ جناب مفتی صاحب ہی کے اجداد کا فیض تھا جو ہندوستان میں پھیلا اور ممدوح تجلیات تک پہنچا۔ اس دعوے کے ثبوت میں سوانح عمری کے بہت سے ورق صرف کئے گئے ہیں اور بڑی محنت و مشقت اور کتب بینی کے بعد حقیقی مؤلف اس نتیجہ تک پہنچ سکے ہیں کہ جناب غفران مآب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ روایت میں ایک راوی جناب نعمت اللہ جزائری بھی ہیں جو جناب مفتی صاحب کے جد بزرگوار تھے۔

ہم داد دیتے ہیں کہ مولفِ تجلیات نے بہت کوشش کی اور سعی میں بخیال خود کامیاب بھی ہوئے۔ اور اگر ہم بھی اسے تسلیم کرلیں کہ مؤلف تجلیات اس محل پر یقینا کامیاب ہو گئے تو بھی اگر کوئی سند جناب مؤلف کو تمام تکلیف کے نتیجہ میں مل سکتی ہے، تو وہ احسان فراموشی کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بیشک آپ نے ایک مسلم الثبوت محسن کے بار احسان کے سبک کر دکھانے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اگر یہ کوئی فخر ہے، تو مبارک ہو، ہمیں ضد نہیں۔

چونکہ مؤلف تجلیات نے اس مرحلہ کو بڑی سختی سے طے کر کے منزل مقصد تک رسائی کی ہے اس وجہ سے ہم بھی جوابات میں فی الجملہ تفصیل مدنظر کر کے ان کی مشقت کی داد دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

تجلیات کے صفحہ/۹ میں جناب مؤلف سلسلہ روایات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر جناب مفتی صاحب کے اجداد ہندوستان میں نہ آتے، تو ان کا سلسلہ روایت وسیع ہوتا اور وہ بھی علمائے عرب اور عجم کی فہرست میں نمایاں ہوتے۔ گویا ہندوستان آنے پر بخیال خود رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور علمائے عرب اور عجم ہونا کوئی خاص فضیلت ہے جس کے نہ حاصل ہونے پر اظہار افسوس ہے۔ لیکن اولاً تو جناب مؤلّف کو بزرگوں کی غلطی پر نگاہ نہ کرنی چاہئے تھی۔ "خطائے بزرگاں گرفتن

خطا ست" اگر جناب مفتی صاحب کے اجداد ہندوستان چلے آئے تو کوئی مصلحت مجبور کر کے لائی ہوگی، اس کا رنج کیا؟ دوسرے معنی ما مضیٰ پر عمل اگر تدارک مافات ممکن ہوتو بہترین راستہ ہے۔ تیسرے یہ کہ علم ہر جگہ سبب فضل ہے، خواہ وہ عرب و عجم میں ہو، یا ہند میں۔ لہٰذا علماء کو اگر کوئی منزلت و بزرگی دی جاسکتی ہے تو زیادتی علم سے، عرب اور عجم میں ہونے سے نہیں دی جاسکتی۔ چوتھے زائد تر علماء کے قیام فرمانے کے قابل وہی مقام ہے، جہاں جہالت کی کثرت ہو اور یہ بات جس قدر ہندوستان میں تھی اور ہے، اس قدر عرب اور عجم میں نہیں ہے۔ ان وجوہ پر نظر کرتے ہوئے یہ رنج والم عبث اور بے محل ہے۔

آگے بڑھ کر مؤلف تحریر فرماتے ہیں:

"جناب سید محمد جعفر صاحب شوشتری (جناب مفتی صاحب کے جد بزرگوار) کے ہندوستان چلے آنے نے مفتی صاحب کو اپنے سلسلہ سے اس قدر بعید کر دیا کہ یہاں کے ان علماء سے جو ہم مذہب بھی نہ تھے، تحصیل علم و استفادہ کی نوبت آئی اور جس طرح سابق میں بیان ہوا تمام تحصیل اسی طرح ختم ہوئی"

اس عبارت کو ناظرین پیش نگاہ رکھیں، کیونکہ ہم کو آئندہ اس سے کام لینا ہے۔ مگر اس مقام پر صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ مؤلف نے جناب مفتی صاحب کے استاد کو یہ کہہ کر کہ وہ ہم مذہب بھی نہ تھے یا تو معاذ اللہ جناب سید العلماء کو بھی غیر مذہب ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ تو سوال یہ ہوتا ہے کہ جناب سید العلماء میں اور جناب مفتی صاحب میں غیرت مذہبی موجود تھی تو مذہب حق کس کا تھا اور اگر جناب سید العلماءؒ کو ہم مذہب نہ ہونے کے جملے سے خارج رکھا گیا ہے تو پھر تمام تحصیل علم کو غیر مذہب کے علماء میں منحصر کر دینے کے کیا معنی ہیں۔ صرف یہی نا کہ جناب سید العلماء سے تحصیل تکمیل کرنے کا خیال ناظرین **تجلیات** کے ذہن سے کسی نہ کسی طرح نکال دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ جناب مفتی صاحب کو کوئی مجبوری نہ تھی کہ وہ غیر مذہب کے علماء سے تکمیل علم کرتے کیونکہ اگر جناب مفتی صاحب کی ولادت کا زمانہ جناب غفرآن مآبؒ سے قبل ہوتا تو بے شک غیر مذہب کے علماء سے تحصیل ناگزیر تھی مگر ایسا نہ تھا اور جناب غفران مآبؒ عراق سے تشریف لا چکے تھے اور آپ کی اولاد امجاد اور شاگرد بہت سے ایسے موجود تھے کہ جن سے جناب مفتی صاحب ان علوم کو بھی حاصل کر سکتے تھے جن کی تکمیل اغیار سے کی۔ اس کے بعد جناب مؤلف ارشاد فرماتے ہیں کہ

"یہ خدا کی قدرت تھی کہ جناب غفرآنمآب مولانا السید دلدار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ ارض عراق کے برکات علمیہ لے کر ہندوستان آچکے تھے اور ان کے فیوض سے ظلمت کدہ ہند روشن ہو چکا تھا۔ (حق بر زبان جاری بھولئے گا نہیں) اور جناب سید العلماء اپنے والد کی مسندِ علم پر متمکن تھے۔ مفتی صاحب کو موقع مل گیا ان جناب کی خدمت میں حاضر ہو کے تھوڑے ہی عرصہ میں علوم شرعیہ میں دستگاہ بلند حاصل کر لی اور تائید غیبی یہ ہوئی کہ اس ذریعہ سے اپنے اجداد کرام کے فیوض و برکات سے بھی مستفیض ہوئے اور سلسلہ روایت بھی ان کا ان حضرات کرام سے اس طرح متصل ہوگیا کہ نہ خود مفتی صاحب کے دل میں غالباً اس کا خیال آیا اور نہ کسی دوسرے کے ذہن میں اس کا فتور ہوا۔"

اس کے بعد مؤلف نے جناب غفران مآب کے سلسلہ روایت کو علامہ نعمت اللہ جزائری تک پہنچانے کے لئے نو سلسلوں کا ذکر کیا ہے جن پر ہم چند سطروں کے بعد ایک تنقیدی نظر ڈال کر حقیقت امر کو واضح کر دیں گے۔ مگر ابھی ہم کو **تجلیات** کی ایک اور عبارت ہدیہ ناظرین کرنا ہے جس میں پھر عبارت مندرجہ بالا کے مطلب کو دوسرے الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔

مولف فرماتے ہیں:

''خود انھیں (یعنی مفتی صاحب) تو ہندوستان کے حدود سے ایک دن کے لئے بھی ایک قدم باہر رکھنے کا محل نہ ہوا۔لیکن ان جناب (یعنی غفرآن مآبؒ) نے سفر عراق عرب وعجم کی زحمتیں برداشت کر کے ان علمائے اعلام اور حجج اسلام سے اکتساب علوم استجازہ فرمایا جن کے سلسلے اکابر اسلاف سے ملے ہوئے تھے اور من جملہ ان سلسلوں کے بعض سلسلے بتوسط اساتذہ علامہ جزائری سے بھی متصل ہوتے تھے۔ پھر ان مقامات متبرکہ سے مراجعت فرما کے اپنے فرزند اصغر جناب سیدالعلماء کے ذریعہ سے مفتی صاحب تک ان کے اکابر خاندان و اجداد کرام کے فیوض و برکات ظلمتکدہ ہندوستان میں پہنچادئے جہاں اہل ہندوستان کو حضرت غفرآنمآبؒ کے افادات و ہدایات و برکات کے ضمن میں ان کے اساتذہ کرام کے فیوض نے خلعت ہدایت سے مخلع کیا ہے، وہاں پر علامہ جزائری کے فیوض و برکات بھی علمی رگوں میں خون کی طرح پھیلے ہوئے ہیں''۔

اس کے بعد جناب علامۂ جزائری کے مختصر حالات تحریر کر کے گذشتہ سلسلہ روایات کے شجر سے بنا کر تکرار مطلب ضروری سمجھی گئی ہے۔ اور یہ تمام کوشش اور تاکید پر تاکید صرف اس لئے ہے کہ کسی نہ کسی طرح خاندان اجتہاد کے بار احسان کو کم کر کے سر اٹھانے کا موقع حاصل کیا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ جناب غفرآن مآب کا ہندوستان پر اگر کچھ احسان ہے تو صرف اتنا کہ انھوں نے جناب مفتی صاحب کے جد بزرگوار کا خزانہ لاکر اس کے حقیقی وارث جناب مفتی صاحب تک پہنچادیا۔ اور اگر کوئی جناب غفرآن مآب کی وقعت ہوسکتی ہے تو محض اتنی کہ وہ ایک واسطہ تھے۔ کاش یہ بھی بتایا ہوتا کہ واسطہ فی الاثبات تھے یا واسطہ فی الثبوت یا واسطہ فی العروض) اور جو کچھ فیض اہل ہند کو پہنچا وہ جناب غفرآن مآب کا نہ تھا، بلکہ یا تو جناب غفرآن مآب کے اساتذہ کا فیض تھا۔ اور یا علامہ نعمۃ اللہ جزائری کے برکات علمی تھے جس کے حقیقی وارث جناب مفتی صاحب تھے۔

ہمیں اس میں شک نہیں کہ اگر مؤلف تجلیات کا دعویٰ یا دلیل ہو اور دلیل بھی عقل کے نزدیک قابل قبول ہوجائے، تو بیشک خاندان اجتہاد کا کوئی فیض قابلِ ذکر نہیں بلکہ جو احسان ہے وہ علامہ نعمت اللہ کا اور یا ان کے پوتے جناب مفتی صاحب مرحوم کا جن کے علاوہ کسی اور کو اجداد کرام کے اموال پر تصرف کا اختیار نہ تھا۔ لیکن مشکل تو یہی ہے کہ دعویٰ آسان ہے مگر بافہم طبقہ کے تسلیم کر لینے کے قابل دلیل پیش کرنا مشکل ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مؤلف کے دعوی پر جس قدر پہلو نکل سکتے ہیں، ان تمام کو ذکر کر کے یہ دیکھیں کہ ان میں اثبات دعویٰ کی قوت کتنی ہے۔

اور اس کے واسطے ضروری ہے کہ ہم پہلے مؤلف کے عبارات پر ایک اجمالی تنقید کر کے پانچ تنقیحوں میں سلسلہ روایت کی تحقیق کریں۔

قول مؤلف: ''یہ خدا کی قدرت تھی کہ جناب غفرآن مآب عراق کے برکات لے کر ہندوستان آئے۔'' دراصل محض یہی خدا کی قدرت نہ تھی بلکہ جناب موصوف کا ہر فعل قدرت خدا اور آیات الٰہی میں سے تھا۔ ایک ویران قصبہ میں ایک کم مایہ گھرانہ میں ایسے باہمّت بچّہ کا پیدا ہونا، فطرت کا میلان اکتساب علم کی طرف، دوکانداروں کے جلتے ہوئے چراغوں کی روشنی میں شب کو کتب بینی کرنا، تحصیل علم کے واسطے الہام پر الہام ہونا، گھر چھوڑنا، عزیز چھوڑنا اور تحصیل علم کے واسطے شہروں شہروں پھرنا، بے سروسامانی کے عالم میں اغیار سے اجانب سے تعلیم لینا۔ اس زمانہ میں جب سفر عراق سفر آخرت کا ہم معنی تھا عراق وایران جانا، تحصیل علوم کے بعد ہندوستان واپس آنا، دور جہالت میں کار

ہدایت انجام دینا اور اس سخت کام میں جس میں انبیاء سابقین بھی بعض اوقات امت کو مطیع نہ بنا سکے حضرت ختمی مآبؐ کی حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو ثابت کرتے ہوئے کار ہدایت میں کامیابی حاصل کرنا، اور ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالنا جو آخر اپنے حقیقی معنوں سے 'خاندان اجتہاد' کہا گیا اور جس کے برکات سے آج تک دنیا فیضیاب ہو رہی ہے اور انشاء اللہ قیام قائم آل محمد روحی لہ الفداء تک فیضیاب ہوتی رہے گی۔ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو قدرت خدا کی بہترین دلیل اور جناب غفرآن مآب کو مجسم آیت الٰہی بنا دینے کی مقتضی ہیں۔

فبای الآء ربکما تکذّبان۔

قول مؤلف: ''جناب غفرآن مآب کے فیض سے ظلمتکدہ ہندروشن ہوا'' اس میں شک کرنا یقیناً کسی ایسے ہی شخص سے ممکن ہے جو حالات سے نابلد اور واقعات سے بے خبر ہو۔ کاش مؤلف آگے چل کر اپنے اس قول سے روگردانی نہ کرتے تو بہتر تھا۔

قول مؤلف: ''جناب مفتی صاحب کے دل میں غالباً اس کا خیال بھی نہ آیا'' خیال آتا تو کیونکر، کیونکہ جناب مفتی صاحب کا نفس پاک اور احسان فراموشی سے نابلد تھا۔ اگر معاذ اللہ ان میں کچھ بھی ایسے فاسد مادے موجود ہوتے تو ان کے دماغ میں بھی ایسے ہی خیالات پھرا کرتے جیسے مولّفِ تجلیات نے اختراع کئے۔

دوسری عبارت میں مؤلف فرماتے ہیں:

''جناب غفرآن مآبؒ نے اپنے فرزند اصغر کے ذریعہ سے جناب مفتی صاحب تک ان کے اجداد کے فیوض پہنچا دیے۔''

گویا اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب غفرانمآب کے سفر عراق کرنے کی غرض اصلی یہی تھی کہ جناب مفتی صاحب تک خاندانی میراث پہنچا دی جائے۔ سبحان اللہ! اچھا فلسفہ ہے! ؎

''ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند''

(جاری)

قطعات در مدح حضرت عباس علیہ السلام

ادیب اکبر انیس العصر سید ابن الحسین مہدی نظمیؔ

عباسؑ افتخارِ شہِ کرب و بلا ہے
عباسؑ شمعِ بزمِ امامِ دو سرا ہے
عباسؑ رہِ حق میں ہے کلثوم کا فدیہ
عباسؑ سرِ زینبِؑ مضطر کی ردا ہے



عباسِؑ جری قبلۂ اربابِ صفا ہے
عباسؑ جری زمزمِ تسلیم ورضا ہے
عباسؑ جری تاجِ سرِ حیدرِ صفدر
عباسِ جری طرۂ دستارِ وفا ہے



عباسؑ سرِ علقمہ سرشارِ وفا ہے
ساحل بھی بہادر کی ادا دیکھ رہا ہے
تر ہو نہ سکا گوشۂ دامانِ نظر تک
دریا سے نظر موڑ کے مشکیزہ بھرا ہے



آبِ لبِ شمشیر، یم آبِ بقا ہے
لہروں میں پھریرے کی رواں جوئے وفا ہے
جھک جھک کے سرِ آب وفادار کا پرچم
پانی میں مشیت کی نظر دیکھ رہا ہے



عباسؑ جری چشمۂ احسان و عطا ہے
تشنہ ہے مگر ساقئِ اربابِ وفا ہے
نظمیؔ ہے وہی خاصۂ خاصانِ زمانہ
جو شفقتِ شبیرؑ کے سایہ میں پلا ہے

